



السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

زید اس بات کا قائل و فاعل ہے کہ جمعہ المبارک کی ایک اذان سنت نبوی، سنت صحابہ (رضی اللہ عنہم) اور شرعی اذان ہے۔ دوسری (یعنی پہلی) اذان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی لمجاہ ہے۔ اگر کوئی دوسری اذان شرعی جمعہ المبارک کے دن پڑھے تو گنجائش ہے مگر اس صورت میں کہ اذان بازار یا مسجد کے دروازے پر ہو۔ تاکہ کم از کم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اذان پر عمل ہو سکے۔ بخراس بات کا قائل ہے کہ دو اذانیں جمعہ المبارک کو پڑھنی مسجد میں شرعی اذانیں ہیں۔ مسجد سے خارج حصہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایک اذان پڑھنے والے کو بڑا اور ایسا ویسا کہتا ہے۔ ان دونوں میں سے کس کا قول و فعل کتاب و سنت کی روشنی میں صحیح ہے؟

الجواب بعون الوهاب بشرط صحة السؤال

و علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ، والصلاة والسلام علی رسول اللہ، أما بعد

صورت مسئلہ میں کتاب و سنت کی روشنی میں زید کا قول ہی بوجہ صحیح ہے۔ بخراس نہیں۔

اول: اس لیے کہ اس حقیقت میں کسی بھی اہل علم کو اختلاف نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اول عہد تک صرف ایک ہی اذان پڑھی جاتی تھی۔ وہ بھی اس وقت پڑھی جاتی تھی جب خطیب خطبہ جمعہ پڑھنے کے لیے منبر پر تشریف فرما ہو جاتا تھا۔ پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں مدینہ منورہ کی آبادی میں اضافہ ہو گیا اور نو آباد محلہ جات مسجد نبوی سے دور دور آباد ہو گئے تھے اور جمعہ کی اذان ان کو سنائی نہ دیتی تھی۔ درنا خلیفہ مدینہ منورہ کی آبادی میں روز افزو اضافہ کے باوجود جمعہ صرف مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں پڑھا جاتا تھا۔ اس طرح بعض حضرات مسجد نبوی سے دور آباد ہونے کی وجہ سے جمعہ میں شرکت سے محروم رہنے لگے کہ ان کے آتے آتے ہی جمعہ کی نماز ختم ہو جاتی تھی۔ اس ضرورت کے پیش نظر خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اجتہاد سے کام لیتے ہوئے مقام ”زورائی“ پر پہلی اذان کھلانے کا حکم صادر فرمایا: اور یہ مقام مسجد نبوی سے تقریباً اڑھائی سو میٹر کے فاصلہ پر واقع تھا۔ یہ حقیقت حدیث اذان عثمانی کے مختلف الفاظ کو یکجا کر لینے کے بعد پوری طرح کھل کر از خود سامنے آ جاتی ہے۔ وہ حدیث مع تخریج الفاظ مختلفہ باحوالہ یہ ہے:

قَالَ الْإِمَامُ الرَّاهِطِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى: أَخْبَرَنِي النَّسَائِيُّ بْنُ أَبِي زَيْدٍ، أَنَّ الْأَذَانَ (الَّذِي ذَكَرَهُ اللَّهُ فِي الْقُرْآنِ)، كَانَ أَوَّلَهُ حِينَ يَخْلُصُ الْإِمَامُ عَلَى الْمَنْبَرِ، (إِذَا قَامَتِ الصَّلَاةُ) يَوْمَ الْجُمُعَةِ، (عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ) فِي عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ وَآلِيهِ بِحُجْرٍ وَغَمْرٍ، فَلَمَّا كَانَ خَلْفَةُ عُثْمَانَ، وَكَثُرَ النَّاسُ، (وَتَبَاعَدَتِ الْمَنَازِلُ)، أَمَرَ عُثْمَانُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِالْأَذَانِ الثَّالِثِ، وَفِي رِوَايَةٍ: الْأَوَّلِ - وَفِي أُخْرَى: بِأَذَانِ ثَانٍ - (عَلَى دَارٍ)، (لَمَّا فِي الشُّوْقِ) يُقَالُ لَنَا: (الرُّزَاءُ) فَاذْذَنْ بِه عَلَى الرُّزَاءِ - (فَقِيلَ خُورُجٍ لِيَعْلَمَ النَّاسُ أَنَّ الْجُمُعَةَ قَدْ حَضَرَتْ) فَلَمَّا قَامَ عَلَى ذَلِكَ - (فَلَمْ يَلْبَسِ النَّاسُ ذَلِكَ عَلَيْهِ، وَقَدْ عَايَنَا عَلَيْهِ حِينَ أَتَمَّ الصَّلَاةَ بِئْسَى) - أَخْرَجَ أَبُو دَاوُدَ فِي سُنَنِهِ مَعَ عُمَرَ الْمَعْبُودِ: ج: ١، بَابُ الْبَدْءِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، ص: ٣٢٣، وَالسِّيَاقُ لَهُ وَالْبَاقِي: ١/١٢٣، ١٢٥، وَالنَّسَائِيُّ: ١/١٦٨، وَالتِّرْمِذِيُّ مَعَ تَحْفِظِهِ الْأَوْحَدِيُّ: ١/٣٩٨، وَصَحَّحَهُ، وَابْنُ مَاجَةَ بِلَدِّ الْأَوَّلِ، وَالشَّافِعِيُّ فِي الْأَمِّ: ١/٤٣١ -

وَالزِّيَادَةُ الْأُولَى لِابْنِ إِسْحَاقَ بْنِ رَاهَوِيَةَ، وَابْنِ خَزِيمَةَ، كَذَلِكَ فِي الْفَتْحِ الْبَارِيِّ: (٣٢٦/٢)، وَنَبِيلُ الْأَوْطَارِ (٢٩٨/٣)، وَعُمَرُ الْمَعْبُودِ: (١/١٢٣)، وَالزِّيَادَةُ الثَّانِيَةُ لِابْنِ الْحَارِثِ وَدَوْدِ الْمَيْسَرِيِّ، كَذَلِكَ فِي "الْأَجَوِبَةِ النَّافِظَةِ" لِلْأَلْبَانِيِّ، ص: ٨ - وَالزِّيَادَةُ الثَّانِيَةُ لِابْنِ دَاوُدَ عُمَرَ: (٣٢٣/١)، وَالطَّبْرَانِيُّ كَذَلِكَ فِي الْأَجَوِبَةِ النَّافِظَةِ، ص: ٨، وَالرَّابِعَةُ لِابْنِ عَبْدِ وَابْنِ الْمُنْذَرِ، وَابْنُ مَرْوَدِيَةَ، ذَكَرَهَا فِي عُمَدَةِ الْقَارِيِّ: (٣/٢٢٣)، دُونَ عَزْوِ الْأَجَوِبَةِ النَّافِظَةِ، ص: ٨ - وَالْخَامِسَةُ لِابْنِ خَزِيمَةَ، وَابْنُ مَاجَةَ - فَتْحُ الْبَارِيِّ: (٢/٣٢٤) - وَالسَّادِسَةُ لِلطَّبْرَانِيِّ، فَتْحُ الْبَارِيِّ: (٢/٣٢٤) - وَتَحْفِظُهُ الْأَوْحَدِيُّ: (١/٣٩٨)، وَالسَّابِعَةُ لِطَبْرَانِيِّ - فَتْحُ الْبَارِيِّ: (٢/٣٢٤) - وَالثَّامِنَةُ، وَهِيَ الْآخِرَةُ لِابْنِ حَمِيدٍ، وَابْنِ الْمُنْذَرِ، وَابْنُ مَرْوَدِيَةَ، كَذَلِكَ فِي الْأَجَوِبَةِ النَّافِظَةِ، ص: ٨ -

یعنی حضرت امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ مجھے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ نے خبر دی ہے۔ انھوں نے فرمایا: جمعہ کی وہ پہلی اذان، جس کا ذکر ا تعالیٰ نے قرآن مجید میں کیا ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں جمعہ کے دن مسجد نبوی کے دروازہ پر اس وقت ہوا کرتی تھی، جب امام (خطبہ کے لیے) منبر پر تشریف فرما ہوتا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب لوگ بہت ہو گئے اور مدینہ کی آبادی دور دور تک پھیل گئی، تو انھوں نے جمعہ کے دن تیسری اذان، اور ایک دوسری روایت کے مطابق پہلی اذان، اور تیسری روایت کے مطابق دوسری اذان ملنے اس مکان پر پڑھنے کا حکم صادر فرمایا جسے مقام ”زورائی“ کہتے ہیں، جو کہ مدینہ منورہ کے ایک بازار میں واقع ہے۔ پس خطبہ کے لیے آپ کی آمد سے پہلے یہ اذان مقام ”زورائی“ پر اس لیے دی جاتی تھی تاکہ لوگوں کو یہ پتہ چل جائے کہ جمعہ کا وقت ہو چکا ہے۔ پھر یہی دستور قائم ہو گیا۔ لوگوں نے اس اذان کے اضافہ کے متعلق حضرت عثمان (رضی اللہ عنہم) پر کوئی عیب نہیں لگایا۔ حالانکہ آپ نے جب حج کے موقع پر منیٰ کے میدان میں نماز قصر کی بجائے پوری نماز پڑھی تو لوگوں نے ان پر نیکری کی تھی۔

اس حدیث سے صاف واضح ہوا کہ جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت میں اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت میں اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اولین زمانہ میں جمعہ کے دن صرف ایک ہی اذان ہوا کرتی تھی، اور وہ اس وقت ہوتی تھی، جب امام خطبہ کے لیے منبر پر رونق افروز ہو جاتا تھا۔ یہی اذان شرعی اذان ہے۔

ثانیاً: اس لیے بھی زید ہی کا قول صحیح ہے، کہ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی اس اذان کو شرعی اذان تصور فرماتے، تو مسجد نبوی سے تقریباً اڑھائی سو میٹر دور فاصلہ پر یہ اذان نہ کھلاتے بلکہ مسجد نبوی کے اسی مقام پر اس کا اہتمام فرماتے جہاں رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں ہوا کرتی تھی۔ یہی بات کہ مقام ”زورائی“ کہاں اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنے فاصلہ پر واقع ہے تو سنیں!

مقام ”زوراء“ کی تحقیق:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ صحیح بخاری کی شرح میں اس حدیث کی تفسیر میں ”الزورائی“ کی تحقیق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

”الرَّوَزَاءُ (فُتِحَ الرَّزَاءُ، وَسُكِّنَ الْوَاوُ، وَيَعْدُ بِآءٍ مَمْدُودَةٍ : وَهِيَ سَوِيٌّ بِالْمَدِينَةِ)“

علامہ ابن بطال کو اصرار ہے کہ ”زورائی“ ایک بڑے پتھر کا نام ہے، جو کہ مسجد نبوی کے دروازے کے قریب واقع تھا مگر ان کا یہ موقف درست نہیں۔ جیسا کہ امام بخاری، ابن ماجہ، ابن خزیمہ اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ کی تصریحات سے واضح ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”زورائی“ مدینہ کے بازار میں ایک مقام کا نام ہے۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ (الْإِمَامُ الْبُخَارِيُّ) الرَّوَزَائِي، مَوْضِعٌ بِالسُّوقِ بِالْمَدِينَةِ، صَحِيحُ الْبُخَارِيِّ، بَابُ الْأَذَانِ يُوضَعُ الْجُمُعَةُ، رَقْمٌ : ٩١٢

: اور یہی بات صحیح ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ حضرت امام بخاری کی تائید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں

وَمَا يُفْصِّرُهُ الرَّوَزَاءُ، هُوَ الْمَعْتَدُ - وَجَزَمَ ابْنُ بَطَّالٍ بِأَنَّهُ حِجْرٌ كَبِيرٌ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ - وَفِيهِ نَظَرٌ لِمَا فِي رِوَايَةِ ابْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ الزُّهْرِيِّ، عَنْ ابْنِ خُزَيْمَةَ، وَابْنِ مَاجَةَ بِمُحَمَّدٍ زَادَ الْبَيْهَقِيُّ الْثَّلَاثَ عَلَى دَارِثِ السُّوقِ يُقَالُ لَنَا : ”الرَّوَزَائِي“ وَفِي رِوَايَةٍ عَنْهُ ”الطَّبْرَانِيُّ“ فَأَمَّا زَادَ الْبَيْهَقِيُّ الْأَوَّلَ عَلَى دَارِثٍ - يُقَالُ لَنَا : ”الرَّوَزَائِي“ فَكَانَ يُؤْخَذُ لَنَا عَلَيْهِمَا فُتِحَ الْبَاهَرِيُّ : ٣٢٤/٢

اس تصریح سے معلوم ہوا کہ ”زورائی“ کسی بڑے پتھر کا نام نہیں، بلکہ مدینہ منورہ کے ایک بازار کا نام ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری، صحیح ابن خزیمہ، سنن ابن ماجہ اور طبرانی کی روایات میں اس کی تصریح موجود ہے۔

(مشور شیح محمود محمد خطاب السبکی رحمہ اللہ نے بھی سنن ابی داؤد کی شرح ”المنهل العذب المورود“ میں یہی کچھ لکھا ہے۔ (ملاحظہ ہو: ١/٢٣٥)

مقام ”زورائی“ کی نشاندہی اور تحقیق

: الشیخ عطیہ محمد سالم رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں

وَأَمَّا مَكَانُ بَيْتِ الْأَذَانِ، وَزَنَاؤُهُ - فَإِنَّ الْمَكَانَ قَدْ جَاءَ الْفَصْلُ، أَنَّهُ كَانَ عَلَى الرَّوَزَاءِ وَقَدْ كَثُرَ الْكَلَامُ فِي تَحْدِيدِ الزُّورَائِي، مَعَ اتِّفَاقِهِمْ أَنَّ مَكَانَ بِالسُّوقِ، وَبِذَا يُتَّقَنُ مَعَ الْغُرُضِ مِنْ مَشْرُوعِيَّةِ تَلْبِيَةِ أَهْلِ السُّوقِ بِوَقْتِ الْجُمُعَةِ لِلنَّعْيِ إِلَيْهَا - أَمَّا الرَّوَزَاءُ بِبَيْتِنَا، فَكَانَ عَلَمًا يُتَارِخُ الْمَدِينَةَ : أَنَّهُ اسْمٌ لِلسُّوقِ نَفْسِهَا وَقِيلَ : مَكَانٌ مِنْهَا مَرْتَفَعٌ كَانَ عِنْدَ أَتْحَادِ الرِّبَاطِ، وَعِنْدَ قَبْرِ بَالَكِ بْنِ سَنَانٍ، وَعِنْدَ سَوِّقِ الْعَبَاءَةِ - وَاشْئُ الثَّابِتُ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ الشَّيْخُ - يُوقِّرُ بَالَكِ بْنِ سَنَانٍ، لَكِنْ يَتَوَكَّلُونَ عَنْدَهُ : وَلَيْسَ فِي مَكَانِهِ - وَقَدْ بَدَأَ أَنَّ الرَّوَزَاءَ : بِمَوْضِعِ الْمَسْجِدِ الَّذِي يُوجَدُ الْآنَ بِالسُّوقِ فِي مُقَابِلَةِ بَابِ الْمَصْرِيِّ، الْمَعْرُوفِ بِمَسْجِدِ فَاطِمَةَ سَيِّدَةِ تَقْسِيمِ أَضْوَاءِ الْبِلَادِ : ٢٣٢/٨ - ٢٣٣

یہ بات منصوص ہے کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے دور پڑنے والی آبادی کو جمعہ کے وقت کی اطلاع دینے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مقام ”زورائی“ پر پہلی اذان کلوانی شروع کر دی تھی۔ یہ بات : کہ ”مقام ”زورائی“ کہاں اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنے فاصلے پر تھا۔ سواضیح ہو کہ تاریخ مدینہ کے علماء کی تحقیق کے مطابق ”زورائی“ دراصل ایک بازار کا نام ہے۔ ایک دوسرا قول یہ بھی ہے کہ یہ مقام مدینہ منورہ کے بازار کی ایک اونچی گھاٹی پر ”اتحاد ربات“ کے قریب ہے۔ یہ بھی ہے کہ یہ مقام حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ کی قبر کے پاس واقع ہے اور ”سوق عباءة“ کے نزدیک پڑتا ہے۔ میری رائے میں مقام ”زورائی“ وہاں تھا جہاں اب ”باب المصری“ کے سامنے بازار میں مسجد ”فاطمہ“ رضی اللہ عنہا واقع ہے۔ بہر حال میرے نزدیک یہی امر راجح ہے کہ اذان عثمانی اسی مقام پر کہی جاتی تھی، اور یہ سوق مدینہ کے وسط میں واقع ہے، جو کہ مسجد نبوی سے تقریباً دو صدہ پچاس میٹر (یعنی ایک فرلانگ انچوان گز اور ایک فٹ) دور ہے۔

: پھر مفصل بحث کے بعد فیصلہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں

وَبِذَا شِئْ عِنْدِي، أَنَّ مَوْضِعَ أَذَانِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ بِذَلِكَ الْمَكَانِ، وَأَنَّ السُّوْقَ بِسُوقِ الْمَدِينَةِ، وَقَدْ رُفِّضَتْ عَنْ السَّجَةِ السُّوْقِيَّةِ : تَحْوَالِي بَاتَيْنَ وَخَمْسِينَ مِثْرًا تَقْرِبًا تَفْسِيرِ أَضْوَاءِ الْبِلَادِ، سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ : ٨/ ٨٢٢٢

(اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ مقام ”زورائی“ مسجد نبوی سے تقریباً اڑھائی صد میٹر دور تھا اور اتنے فاصلے پر کہی جانے والی اذان کو شرعی یعنی مسنون اذان قرار دینا کچھ مناسب معلوم نہیں ہوتا۔) (فانعم

حاشا : اس لیے بھی کہ چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مدینہ معظمہ کی آبادی میں خاطر خواہ اضافہ ہو گیا، اور دُور دور تک محلے آباد ہو گئے تھے اور خطبہ جمعہ والی اذان مسجد نبوی سے دور محلات میں سنائی نہیں دیتی تھی اور آتے آتے نماز جمعہ ختم ہو جاتی تھی۔ لہذا لوگوں کی اس مجبوری کے پیش نظر خلیفہ راشد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اجتہاد کر کے اس پہلی اذان کی طرح ڈالی تھی۔ یعنی بالفاظ دیگر اذان عثمانی ایک مقامی ضرورت سے عمدہ برآ ہونے کے لیے شروع کی گئی تھی۔ جیسا کہ مذکورۃ الصدر حدیث کے الفاظ ”فَلَمَّا كَثُرَ النَّاسُ وَتَشَاعَرَتِ الْمَنَازِلُ“ اس مقامی ضرورت پر دلالت کر رہے ہیں۔ شارحین حدیث نے بھی اس ضرورت کی نشاندہی کی ہے۔ علامہ : الشیخ محمود محمد خطاب رقم فرماتے ہیں

فَإِنَّ الْغُرُضَ الَّذِي زَادَ عُثْمَانَ الْأَذَانَ لِأَجْلِهِ، وَهُوَ، أَنَّهُ لَمَّا كَثُرَ النَّاسُ وَتَشَاعَرَتِ الْمَنَازِلُ، كَانَ مَنْ عِنْدَ الرَّوَزَائِي، لَا يَسْمَعُ الْأَذَانَ الَّذِي عِنْدَ الْمَسْجِدِ، زَادَ أَذَانًا ثَانِيًا (خَارِجَ الْمَسْجِدِ) عَلَى ”الرَّوَزَاءِ“ لِإِسْنَاعِهِمْ، فَأَذَانُ جَمِيعِ النَّاسِ فِي الْمَسْجِدِ، وَبَلَسَ الْخَطِيبُ عَلَى الْمَنْبَرِ، أَذَانَ الْوُضُوْءِ ثَانِيًا خَارِجَ الْمَسْجِدِ عَلَى الْبَابِ، أَوْ عَلَى السُّطْحِ، تَمَّا كَانَ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ، وَأَبْنَى بَحْرًا، وَنَحْنُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - وَبِذَا الْغُرُضُ الَّذِي أَحْدَثَ الْأَذَانَ الثَّانِي مِنْ أَجْلِهِ فِي زَمَنِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَيْسَ مَوْجُودًا فِي زَنَاؤِنَا - فَإِنَّنَا لَمْ نَرِ أَدَانًا يُفْتَلُ بِعِيدَا عَنْ الْمَسْجِدِ أَوْ سَنَلِ الْعَذْبِ الْمُرُودِ وَشَرَحَ سَنَنِ ابْنِ دَاوُدَ : ٦/ ٦٢٣٦

یعنی جس غرض کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ مزید پہلی اذان کلوانی شروع کی تھی۔ وہ یہ تھی کہ ان کے عہد خلافت میں مدینہ منورہ کی آبادی میں خاصا اضافہ ہو گیا تھا اور رہائشی مکانات دُور دور تک پھیل گئے تھے اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہونے کی وجہ سے مقام ”زورائی“ سے پرے بسنے والوں کو خطبہ والی اذان سنائی نہ دیتی تھی۔ اس لیے ہمارے مجبور ہی ان لوگوں کو جمعہ کے وقت سے آگاہ کرنے کے لیے مقام ”زورائی“ پر آپ ”نے اس اذان کو رواج دیا۔ چونکہ اب یہ غرض موجود نہیں اس لیے ہم اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

: علامہ حافظ احمد محمد شاکر المصری رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں

لَا نَزِيَّ الْمَدِينَةِ لَمْ يَكُنْ بِهَا إِلَّا الْمَسْجِدَ النَّبَوِيَّ، وَكَانَ النَّاسُ كُلُّهُمْ يَتَجَمَعُونَ فِيهِ، وَكَثُرُوا عَنْ أَنْ يَسْمَعُوا الْأَذَانَ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ - فَرَادَ عُثْمَانُ الْأَذَانَ الْأَوَّلَ، لِيَعْلَمَ مَنْ بِالشُّوقِ، وَمَنْ تَوَلَّى حُضُورَ الصَّلَاةِ الْأَجُوبَةِ النَّافِعَةِ، ص: ٩

اذان عثمانی کا پس منظر یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں اس دور میں مسجد نبوی کے علاوہ اور کوئی مسجد جمعہ نہ تھی، اور تمام لوگ اسی مجمعہ پڑھتے تھے، اور وہ اتنی زیادہ تعداد میں تھے کہ جمعہ کے خطبہ کے آغاز میں مسجد کے دروازے پر پڑھی جانے والی اذان سن نہ سکتے تھے۔ لہذا امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مروجہ پہلی اذان اس لیے کھلوانی پڑی تاکہ بازار میں اور اس کے گرد و نواح میں بسنے والوں کو جمعہ کے وقت کا علم ہو سکے۔

اور ”فتح الباری“ (۲/۳۲۴) میں بھی یہی وجہ مرقوم ہے۔

: محدث عصر حاضر علامہ البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں

لَا نَزِيَّ الْإِقْتِدَاءَ بِهَا فَهَلَهُ عُثْمَانُ عَلَى الْإِطْلَاقِ، وَذُوْن قَيْدٍ - فَهَدَّ عَلَيْنَا مَنَاكِبَهُمْ أَنْتُمْ إِذَا رَأَوْا الْأَذَانَ الْأَوَّلَ لِعَلِّهِمْ مَعْتُولِيهِ، وَبِهِ كَثْرَةُ النَّاسِ وَتَبَاعُدُ مَنَازِلِهِمْ عَنِ الْمَسْجِدِ النَّبَوِيِّ فَمِنْ ضَرْفِ النَّظَرِ عَنْ بَدْوِ الْعِلَّةِ، وَتَشَكُّكَ بِأَذَانِ عُثْمَانَ مُطْلَقًا، لَا يَكُونُ مُقْتَضِيًا بِرِضَى اللَّهِ عَنْهُ، عَلَى بَعْضِ خِلَافٍ لَهُ، حَيْثُ لَمْ يَنْظُرْ بَعْضُ الْإِقْتِدَارِ إِلَى تِلْكَ الْعِلَّةِ الَّتِي تَوَلَّاهَا لَمَّا كَانَ الْعُثْمَانُ أَنْ يَزِيدَ عَلَى سُنَّتِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَسُنَّتِهِ الْخَلِيفَتَيْنِ مِنْ بَعْدِهِ الْأَجُوبَةِ النَّافِعَةِ، ص: ٨

ہمارے نزدیک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ عمل (اذان عثمانی) علی الإطلاق پیروی کے قابل نہیں جب تک وہ معقول علت اور سبب موجود نہ ہو جس کی وجہ سے انہوں نے اس اذان کو رواج دیا اور وہ علت اور سبب یہ تھا کہ مدینہ منورہ کی آبادی کا ان کے عہد میں بہت بڑھ جانا اور مسجد نبوی سے لوگوں کے گھروں کا دور پڑنا۔ لہذا جو شخص اس علت اور سبب کا لحاظ کیے بغیر اذان عثمانی کو اختیار کرنے پر اصرار کر رہا ہے، وہ ایسا کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پیروی نہیں کر رہا، بلکہ وہ درحقیقت اس کی مخالفت پر تلا ہوا ہے۔ کیونکہ اس نے اذان عثمانی کی اس علت اور سبب کا اعتبار نہیں کیا، جس کی وجہ سے آپ کو یہ اذان کھلوانی پڑی تھی۔ اگر یہ علت معقولہ آپ کے پیش نگاہ نہ ہوتی تو آپ رسول ا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی سنت پر اس اذان کا اضافہ ہرگز نہ کرتے۔

(محدث ہند مولانا عبید ا رحمانی رحمہ اللہ نے بھی اسی رائے کو اختیار فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو!) (مرعاۃ المفاتیح: ۳/۳۰۸)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک مقامی اور ہنگامی ضرورت (لوگوں کی کثرت اور آبادی کا دور دور تک پھیل جانے) سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اپنے اجتہاد سے اس اذان کو رواج دیا تھا، اور بس! لہذا زید کو بُرا بھلا کتنا درست نہیں۔

رابطا: اس لیے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تیسرے بڑے صحابی (رضی اللہ عنہ) اور خلیفہ راشد تھے اور آپ نے ایک مقامی اور ہنگامی ضرورت سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اپنے اجتہاد سے یہ اذان کھلوانی شروع کی تھی۔ یہ ضرورت معقول بھی تھی، اور قابل اعتناء بھی۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ خلیفہ چہارم سیدنا علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبدا بن عمر رضی اللہ عنہما ایسے بزرگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور امام حسن بصری اور امام زہری: جیسے فقہاء تابعین رحمہ اللہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس اذان کو مسنون اور شرعی اذان تسلیم نہیں کیا تھا۔

: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل

: شیخ البانی فرماتے ہیں:

وَكَاذِبُ ذَلِكَ كَانَ عَلِيٌّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَبُورِ الْخَوْفِ، لِيَقْتَصِرَ عَلَى الشَّيْءِ، وَلَا يَأْتِيَهُ بِزِيَادَةِ عُثْمَانَ، كَمَا فِي الْقُرْطُبِيِّ (١٨/١٠٠) 'التَّلْمِيقُ عَلَى سَنَنِ التِّرْمِذِيِّ، بَابُ مَا جَاءَ فِي أَذَانِ الْحَمْدِ: ٣/٣٩٣'

”سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے ”دار الخلافہ“ کو فہ میں خطبہ کے شروع میں پڑھی جانے والی مسنون اذان پر اکتفا فرماتے تھے، اور اذان عثمانی پر عمل نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ قرطبی میں ہے۔“

: حضرت عبدا بن عمر رضی اللہ عنہما کی رائے

حَدَّثَنَا شَيْبَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا يُسَيْمُ بْنُ الْغَارِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: الْأَذَانُ الْأَوَّلُ لِمَا الْجُمُعَةُ بِدَعْوَةِ مُصَنَّفِ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ، بَابُ الْأَذَانِ لِمَا الْحَمْدِ: ٢/١٣٠، رَقْم: ٥٣٤٠

حضرت عبدا بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ جمعہ کی پہلی اذان بدعت ہے۔ (وفی روایتہ قال ابن عمر: إِنْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا صَعِدَ الْمِنْبَرَ أَدْنَى بِلَالٍ - فَأَذَا فَرَّغَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ خُطْبَتِهِ، أَقَامَ الصَّلَاةَ - وَالْأَذَانَ الْأَوَّلَ بِدَعْوَةِ رَوَاهُ أَبُو

(ظاہر التخلّص فی فوائدہ کذا فی الاجوبۃ النافعۃ للشیخ ناصر الدین الابانی، ص: ۱۰، ۹)

یہ روایت فتح الباری (۲/۳۲۴) میں بھی موجود ہے۔ جب رسول ا صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ پڑھنے کے لیے منبر پر تشریف فرما ہو جاتے تھے تو پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان پڑھتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ سے فارغ ہو جاتے تو حضرت بلال تکبیر کہتے اور پہلی ”اذان (اذان عثمانی) مسنون نہیں۔“

: امام حسن بصری رحمہ اللہ تابعی کی رائے

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا يُسَيْمُ بْنُ بُشَيْرٍ، عَنِ الْحَسَنِ، أَنْتَ قَالَ: الْبَدَأُ الْأَوَّلُ لِمَا الْجُمُعَةُ الَّذِي يَخُونُ عِنْدَ خُرُوجِ الْإِمَامِ وَتَذِي قَبْلَ ذَلِكَ بِدَعْوَةِ مُحَمَّدٍ مُصَنَّفِ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ (٢/١٣٠)، بَابُ الْأَذَانِ لِمَا الْحَمْدِ، رَقْم: ٥٣٣٥

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ درحقیقت جمعہ کی پہلی اذان وہ ہے جو خطبہ کے شروع میں اس وقت کہی جاتی ہے جب خطیب خطبہ کے لیے آجاتا ہے اور جو اذان اس خطبہ والی اذان سے پہلے کہی جاتی ہے وہ ایک نئی چیز ہے۔“

امام زہری تابعی رحمہ اللہ کی رائے

حَدَّثَنَا ابْنُ عَلِيٍّ، عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: كَانَ الْإِذَاانُ عِنْدَ خُرُوجِ الْإِنَامِ، فَأَخَذَ أَبُو الْمُؤْمِنِينَ عُمَانُ بْنُ النَّافِثَةِ النَّافِثَةَ عَلَى الرِّوَاءِ، لِيُشْفِقَ النَّاسُ مُصَنَّفُ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ، بَابُ الْإِذَاانِ يَوْمَ الْحَمَّةِ، رَقْمُ: ٥٣٠.

امام زہری رحمہ اللہ تصریح فرماتے ہیں کہ پہلے پہل جمعہ کی پہلی اذان خطبہ کے شروع میں کہی جاتی تھی، جب خطیب خطبہ پڑھنے کے لیے آجاتا تھا۔ بعد ازاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کرنے کے لیے مقام ”زورائی“ پر تیسری اذان (مروّجہ پہلی اذان) شروع کر دی۔

امام الماوردی کی رائے

: مُفسّر قرطبی (محمد بن احمد انصاری، متوفی ۶۷۱ھ) اپنی تفسیر میں امام الماوردی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں

عَنِ الْمَوْرِدِيِّ، فَأَنَا الْأَذَانُ الْأَوَّلُ، فَحَدَّثَ - فَهَلْ عُمَرَانُ لَيْتَا نَسَبَ النَّاسِ الْحُضُورَ الْخَطِيئَةَ عِنْدَ اتِّسَاعِ الْمَدِينَةِ، وَكَثْرَةِ أَهْلِهَا تَقْسِيرُ قُرْطُبَى: ١٨/١٠٠

مرفوعہ پہلی اذان شرعی اذان نہیں۔ جب مدینہ منورہ وسیع ہو گیا، اور اس کے باشندوں کی تعداد بڑھ گئی تو اس وقت خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس لیے اذان کلمواں شروع کی تھی، تاکہ لوگ تیار ہو کر خطبہ شروع ہونے سے پہلے پہلے مسجد میں پہنچ سکیں۔

اس تفصیل پر ایک سرسری نظر ڈالنے کے بعد یہ حقیقت پوری طرح نکھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ گو خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں اس مرفوعہ اذان کی طرح ڈالی تھی۔ تاہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حین حیات میں اس کو وہ قبول عام حاصل نہ ہو سکا، جو مسنون اذان کو شرعاً حاصل ہے۔ ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدال بن عمر رضی اللہ عنہما جیسے اکابر صحابہ، امام حسن بصری اور امام الحدیث محمد بن مسلم بن شہاب زہری رحمہ اللہ ایسے فقہائی حدیث اس اذان پر قولاً اور عملاً نکیر نہ کرتے۔ چنانچہ انہی وجوہ کے پیش نظر متعدد علماء محققین، ماہرین سنت اور شارحین حدیث نے خالص اتباع سنت کی نزاکتوں اور تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک ہی اذان کو ترجیح دی ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اس سلسلے میں مزید چند آراء پیش خدمت ہیں۔

مُجددِ وقت امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے صائب

فرماتے ہیں:

وَأُحِبُّ أَنْ يَكُونَ الْأَذَانُ لِمَا الْحَمْدُ، حِينَ يَدْخُلُ الْإِنَامُ الْمَسْجِدَ، وَيُحْسِلُ عَلَى مَوْضِعِهِ الَّذِي يُخْطَبُ عَلَيْهِ خُشْبٌ، أَوْ جَرِيدٌ، أَوْ غَيْرُ، أَوْ شَيْءٌ مَرْفُوعٌ لَهُ، أَوِ الْأَرْضُ - فَذَا فَعَلَ أَخَذَ الْوُضُوءَ فِي الْأَذَانِ - فَذَا فَرَعَ قَامَ فَخُطِبَ، وَلَا يَزِيدُ عَلَيْهِ - وَأُحِبُّ أَنْ يَكُونَ مُؤَذِّنٌ وَاحِدٌ كَتَابَ الْإِمَامِ لِلشَّافِعِيِّ، بَابِ وَقْتُ الْأَذَانِ لِلْحَمْدِ، ج: ١، ص: ١٢٠

میں تو اس کو پسند کرتا ہوں کہ جب خطیب خطبہ پڑھنے کے لیے تیار ہو کر منبر یا تجوہز وغیرہ پر بیٹھ جائے، تو اس وقت مؤذن اذان پڑھے۔ جب اذان پوری ہو جائے، تو اذان اور خطبہ کے درمیان کسی وقفہ کے بغیر فوراً خطیب خطبہ شروع کر دے، اور مجھے مؤذن بھی ایک ہی پسند ہے۔ یعنی ایک سے زائد مؤذنون کا ایک ساتھ اذان پڑھنا مجھے پسند نہیں۔

:مزید لکھتے ہیں

وقد كان عطاءً يُنكر أن يكون عثمان رضي الله عنه أحدثه، ويقول: أحدثه معاوية. والله أعلم... وأيضاً كان، فالأمر الذي على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم أحب إلى كتاب الأم للشافعي، باب وقت الأذان للجمعة، ج: ١، ص: ٣، أ

امام عطاء بن ابی ریحہ رحمہ اللہ کو اس سے انکار ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ اذان جاری کی تھی، بلکہ ان کے مطابق اس کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شروع کیا تھا۔ (وا اعلم) پھر فیصلہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”قطع نظر اس سے کہ کس نے یہ اذان جاری کی تھی۔ مجھے تو رسول ا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رسالت والی صورت حال (ایک اذان) ہی زیادہ محبوب ہے۔“

الشيخ ابن ناصر رحمه الله كما عمل

علامہ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں

كَانَ (السَّيِّدُ مُحَمَّدُ بْنُ نَاصِرٍ) يُقْتَصِرُ لِمَا فِي الْحَمِيَّةِ عَلَى مُؤَدِّينَ وَاحِدٍ، وَأُذَانٍ وَاحِدٍ غَيْرِ الْإِقَامَةِ أَوْفَوْهُ بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ إِذْ لَمْ يَكُنْ فِي رُفْعِهِ، وَلَا فِي زَمَنِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَلَى مَا هُوَ الْأَشْهُرُ، وَصَدَّرَ مِنْ خَلَاةِ عُثْمَانَ، وَكَانَ لِلْمُؤَدِّينَ فِي زَمَنِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ ١٠٠ وَالسَّلَامُ لِلْمُؤَدِّينَ وَاحِدٍ، وَبَدَأُوا الصَّحِيحَ الْعَمِيدَ الْأَجْوَدَ النَّافِعَ، ص: ١٠٠

جناب شیخ محمد بن ناصر، رسول اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں جمعہ کے دن ایک ہی مؤذن اور ایک ہی اذان پر اکتفا فرماتے تھے۔ کیونکہ مشہور ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اول حصہ میں اس پہلی اذان کا کوئی وجود نہ تھا۔ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مؤذن بھی ایک ہی ہوتا تھا۔

۱: اہل مغرب کا عمل

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے مطابق مغربی ائمہ محدثین کا عمل بھی ایک اذان پر تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

وَيُخْفَى أَنَّ أَكْثَرَ الْمَغْرِبِ الْأَوَّلِي الْأَنْ، لَتَأْتِيَهُمْ عَنْهُمْ سَوِي مَرْقُ الْبَارِي: ٢٣٤/٢

”مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ اہل مغرب کے ہاں جمعہ کے دن صرف ایک ہی اذان کا دستور رائج ہے۔“

اور معلوم ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی وفات ۸۵۲ھ میں ہوئی تھی۔

: علامہ محقق احمد محمد شاہ رحمہ اللہ کی رائے

وَحَرْصُوا عَلَى إِبْقَاءِ الْأَذَانِ قَبْلَ خُرُوجِ الْإِيمَامِ، وَقَدْ رَأَيْتُ الْحَاجَّ بْنَ أَبِي حَالٍ، لَإِنَّ الْهَيْئَةَ لَمْ يَكُنْ بِهَا إِلَّا السَّجْدَ النَّبَوِي... أَنَا الْآنَ قَدْ كَثُرَتِ السَّجَدُ، وَبُنِيَتْ فِيهَا الْمَنَارَاتُ، وَصَارَ النَّاسُ يَمُرُّونَ وَقْتُ الصَّلَاةِ بِأَذَانِ الْوُضُوءِ عَلَى التَّارَةِ، فَإِنَّا نَرَى أَنَّ يَكْتَفِي بِهَذَا الْأَذَانِ، وَأَنَّ يُخْرَجَ عِنْدَ خُرُوجِ الْإِيمَامِ إِتِبَاعًا لِلشَّيْخِ الْتَلْقِينِ عَلَى سَنَنِ التَّرْمِذِيِّ، بِأَبْ جَاءَ فِي أَذَانِ الْبُخَارِيِّ، ج: ٢، ص: ٣٩٣

لوگ جمعہ کی مروجہ پہلی اذان کو بحال رکھنے پر حریص واقع ہوئے ہیں، جب کہ اس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ کیونکہ جس دور میں یہ اذان شروع کی گئی تھی، اس وقت مدینہ منورہ میں سوائے مسجد نبوی کے دوسری کوئی مسجد (جمعہ) نہ تھی۔ مگر اب تو بکثرت مساجد موجود ہیں اور ان میں بلند و بالا منارات تعمیر ہو چکے ہیں اور منارہ پر جب مؤذن اذان پڑھتا ہے، تو لوگوں کو نماز کے وقت کا آسانی پتہ چل جاتا ہے۔ لہذا ہماری رائے یہ ہے کہ خالص سنت رسول کی اتباع میں ایک ہی اذان پر اکتفا کی جائے اور یہ اذان اس وقت پڑھی جائے، جب امام خطبہ کے لیے تشریف لے آئے۔

: علامہ محمود محمد خطاب السبکی کی رائے

بِذَا الْغَرَضُ الَّذِي أُحْدِثَ الْأَذَانُ الثَّانِي مِنْ أَجْلِهِ فِي زَمَنِ عُمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، لَيْسَ مَوْجُودًا فِي زَمَانِنَا - فَإِنَّا لَمْ نَرَى أَذَانًا مُفْعَلًا يَعْبُدُ الْغَنَ السَّجْدَ - فَإِذَا لُطِبَ الْإِقْتِصَارُ عَلَى أَذَانٍ وَاحِدٍ فِي الْبُخَارِيِّ زَمَانِنَا، كَمَا كَانَ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَصَاحِبِهِ أَبِي بَكْرٍ، وَتَمْرَعْدَمُ الْغَرَضُ الَّذِي أُحْدِثَ الْأَذَانُ الثَّانِي مِنْ أَجْلِهِ - وَمَنْ لَمْ يَفْتَقِرْ عَلَى أَذَانٍ وَاحِدٍ، فَهَذَا خَالَفَ سُنَنَنَا عُمَانَ فَضْلًا عَنْ غَيْرِهِ - وَهَذَا مَعْلُومٌ لِمَنْ طَلَعَ عَلَى مَا يُؤَمَّرُ فِي كِتَابِ الشَّيْخِ الْمُسْلِمِ الْعَذَابِ الْمُرُودِ شَرْحَ سَنَنِ أَبِي دَاوُدَ: ٦/٢٣٤

یعنی جس غرض کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس اذان کی داغ بیل ڈالی تھی وہ غرض اب ہمارے زمانے میں ختم ہو چکی ہے۔ لہذا ہماری رائے میں مسجد سے دور اذان کی ضرورت نہیں۔ اس لیے اب اس طرح جمعہ کے لیے ایک ہی اذان پر اکتفا کرنا چاہیے، جس طرح رسول ا صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے عہد مبارک میں ایک ہی اذان کہی جاتی تھی، کیونکہ اب پہلی اذان کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ بناء بریں اب جو شخص ایک اذان پر اکتفا نہیں کرتا۔ وہ رسول ا صلی اللہ علیہ وسلم حضرات شیخین کی مخالفت کے ساتھ ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بھی خلاف کر رہا ہے۔

نیز لکھتے ہیں:

وَعَلَى فَرَضٍ، أَنَّهُ وَجَدَ الْغَرَضَ الَّذِي أُحْدِثَ الْأَذَانُ الثَّانِي مِنْ أَجْلِهِ، زَمَنِ سَيِّدِنَا عُمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لِيُفْتَقِرَ عَلَى أَذَانٍ وَاحِدٍ - كَمَا صَرَّحَ بِذَلِكَ الشَّافِعِيُّ فِي 'الْأَمِّ' الْمُسْلِمِ الْعَذَابِ الْمُرُودِ: ٦/٢٣٤

بالفرض یہ مان لیا جائے کہ جس غرض کے پیش نظر حضرت عثمان کے عہد میں یہ اذان شروع کی گئی تھی وہ غرض اب بھی موجود ہے تو پھر بھی اتباع سنت کے تقاضے کے مطابق ایک ہی اذان پر اکتفا کرنا چاہیے۔ جیسا کہ امام "شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الام" (ج: ۱/۱۴۳) میں تصریح فرمائی ہے۔

مزید لکھتے ہیں اور وضاحت سے لکھتے ہیں:

فَمَا يُفْعَلُ) النَّاسُ قَبْلَ دُخُولِ الْوَقْتِ مَنَّا يُسْمَوْنَ بِالْأَوَّلِيِّ وَالثَّانِيَةِ - (لَا أَصِلُ لَهَا) لِأَنَّهُ لَمْ يُفْعَلْهُ النَّبِيُّ ﷺ، وَلَا أَمْرٌ بِهِ، وَلَا فَهْلًا أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِهِ، وَلَا مِنْ السَّلَفِ، بَلْ يُؤْمَرُ أَحَدُهُمْ لِبَعْضِ الْأَمْرَاءِ كَمَا ذَكَرَهُ ابْنُ الْحَاجِّ، فَيُفْعَلُ تَرْكُهُ لِأَنَّ تَرْكَهُ ﷺ) إِنَاءَهُ مِنْ وَجُودِ الْمُفْعَلِ - وَهُوَ تَشْرِيعُ الْأَحْكَامِ فِي حَيَاتِهِ - وَاسْتِمْرَارُهُ عَلَى ذَلِكَ حَتَّى فَارَقَ الدُّنْيَا يَدِلُّ عَلَى عَدَمِ مُشْرُوعِيَّتِهِ - وَكَذَلِكَ يَجْمَعُ الْإِمَامُ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالسَّلَفِ الصَّاحِبِ عَلَى بَذْلِ التَّرْكِ وَدَلِيلٌ عَلَى أَنَّ تَرْكَهُ يُؤْمَرُ الشَّيْخُ وَفَعْلُهُ يَدْعُوهُ مُؤَمَّرُ الْمُسْلِمِ الْعَذَابِ الْمُرُودِ: ٦/٢٣٤

نماز جمعہ کے وقت سے پہلے لوگ جو اذان پڑھتے ہیں اور اس کو پہلی اذان کہتے ہیں اور وقت آنے پر پڑھی جانے والی اذان کو دوسری اذان کا نام دیتے ہیں۔ یہ ایک ایسی بے اصل بات ہے جس پر نہ کبھی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود عمل کیا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا تھا۔ نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اور ائمہ سلف رحمہ اللہ نے ایسا کیا، بلکہ محقق ابن الحاج کے مطابق یہ کسی حکمران کی جاری کردہ بدعت ہے۔ لہذا اس کا ترک شرعاً متعین ہے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد تشریع احکام کا عہد تھا اور اس کی ضرورت بھی تھی لیکن اس کے باوصف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کو ہمیشہ ترک کیے رکھنا اور اسی ترک پر آپ کا وفات پا جانا اس کے عدم مشروع ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین کا بھی اس کے ترک پر اجماع ہے اور ان کا یہ اجماع بھی اس امر کی دلیل ہے کہ اس اذان کو بھروسہ دینا ہی سنت ہے اور اس کو "جاری رکھنا بدعت ہے۔"

: الشیخ ناصر الدین البانی کی رائے سامی

قَدْ مَضَى أَنَّ عُمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ إِذَا أَدَا الْأَذَانَ الْأَوَّلَ لِيَعْلَمَ النَّاسُ أَنَّ الْبُخَارِيَّةَ قَدْ حَضَرَتْ، فَإِذَا دُخِلَ الْأَذَانُ الْحُمْرِيُّ بِالْبُخَارِيَّةِ، فَهَذَا حَصَلَ النَّبَا بِأَنَّهُ زَمِي لَيْسَا عُمَانًا بِأَذَانِهِ، وَاعْتَقَدَ أَنَّهُ لَوْ كَانَ الْبُخَارِيَّةُ فِي عَهْدِ عُمَانَ، وَكَانَ يَرَى جَوَازَ اسْتِعْمَالِهِ، كَمَا لَعَنَهُ، لَكَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَكْتَفَى بِأَذَانِهِ الْأَذَانُ الْحُمْرِيُّ - وَأَعْنَاهُ ذَلِكَ عَنْ زِيَادَةِ الْأَجُوبَةِ النَّافِعَةِ، ص: ١٣

یہ ثابت ہو چکا کہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی اذان محض اس لیے جاری فرمائی تھی تاکہ لوگوں کو جمعہ کے وقت کا علم ہو جائے۔ مگر اب ہمارے زمانہ میں ریڈیو، (لاؤڈ سپیکر وغیرہ) ایجاد ہو چکے ہیں۔ لہذا

جب محمدی اذان ریڈیو پر نشر کی جائے گی، تو اس ایک ہی اذان کے ساتھ وہ مقصد حاصل ہو جائے گا، جس کے حصول کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اذان (عثمانی) کا اجرا فرمایا تھا۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ اگر ان کے عہد "خلافت میں ریڈیو موجود ہوتا، اور ہماری طرح اس کے استعمال کو جائز سمجھتے، تو وہ بس اذان محمدی یعنی ایک ہی اذان پر اکتفا فرماتے کہ یہ آئمہ ان کو اس زائد اذان کے اضافہ سے بے نیاز کر دیتا۔

شیخ موصوف دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

وَالْخَلاَصَةُ أَنَّ الَّذِي ثَبَتَ فِي الشَّيْءِ، وَجَزَى عَلَيْهِ السَّلَفُ الصَّالِحُ بِإِلاَئِكَتِهِ بِالْأَذَانِ الْوَاحِدِ عِنْدَ مُنْغَوَاةِ الْخُطْبِ عَلَى الْمَنِيرِ وَأَنَّ يَكُونَ خَارِجَ الْمَسْجِدِ عَلَى مَكَانٍ مُرْتَفِعٍ، أَلَا جَوَابُ النَّافَةِ، ص: ۳۴

خلاصہ کلام یہ کہ سنت رسول ا صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ ثابت ہے اور سلف صالح کا جس چیز پر عمل رہا ہے، وہ تو بس ایک ہی اذان ہے جو خطیب کے منبر پر بیٹھ جانے کے بعد مسجد کے صحن وغیرہ میں کسی بلند مقام پر "پڑھی جاتی ہے۔

اس تفصیل سے درج ذیل باتیں ثابت ہوں۔

اول: یہ کہ جناب رسول ا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور خلافت تک، جمعۃ المبارک کے لیے صرف ایک اذان ہی ہوتی تھی، اور وہ بھی اس وقت جب خطیب خطبہ ارشاد فرمانے کے لیے منبر پر تشریف فرما ہو جاتا۔ یعنی عہد رسالت، عہد ابوبکر، و عمر رضی اللہ عنہما کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہ اللہ مروجہ اذان عثمانی کے تصور سے قطعاً ماہد تھے۔

ثانی: یہ کہ چونکہ حضرت عثمان کے عہد میں مدینہ منورہ کی آبادی میں بکثرت اضافہ ہو گیا تھا اور مسجد نبوی سے کافی دور دور تک نئے محلہ جات آباد ہو گئے تھے۔ مگر آبادی کی اس کثرت اور پھیلاؤ کے باوصف پورے مدینہ منورہ میں جمعہ صرف مسجد نبوی ہی میں پڑھا جاتا تھا اور خطبہ کے شروع میں پڑھی جانے والی متواتر اذان (اذان محمدی) مقام "زورائی" سے پڑے بسنے والوں کو سنائی نہ دیتی تھی اور وہاں سے آتے آتے خطبہ ختم ہو جاتا تھا اور یوں یہ لوگ اول وقت پر آنے اور خطبہ سننے کی فضیلت سے محروم رہ جاتے تھے۔ لہذا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کی اس مشکل کے ازالہ کے لیے نماز، جمعہ کو دوسری نمازوں پر قیاس کرتے ہوئے کہ ان کی اذانیں، جماعت کھڑی ہونے سے پہلے کہی جاتی ہیں۔ خطبہ جمعہ کے وقت سے تھوڑا وقت پہلے مقام "زورائی" پر ایک زائد اذان کھلوانی شروع کر دی گویہ مقام "زورائی" مسجد نبوی سے ایک فرلانگ اور اٹھاون گز کے فاصلہ پر واقع تھا۔ تاہم وہاں کے مکینوں کی اطلاع کے لیے بڑا موزون تھا۔ بالفاظ دیگر یہ ایک مقامی اور ہنگامی ضرورت سے عہدہ برآ ہونے کی ایک انتظامی تدبیر تھی۔

ثالث: ہر چند حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں مذکورہ بالا ہنگامی اور مقامی ضرورت کے پیش نظر اپنے اجتہاد سے اس اذان کا آغاز فرمایا تھا، مگر بائیں ہمہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نگاہ عیساں اذان کو وہ قبول عام حاصل نہ ہو سکا جو کہ متواتر اور خالص مسنون اذان کو حاصل ہے۔ ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دارا خلافت کو فہ شہر عیساں کو نظر انداز کر کے ایک اذان پر اکتفاء نہ فرماتے اور حضرت عبد بن عمر رضی اللہ عنہما جیسے عاشق سنت صحابی، امام زہری اور امام حسن بصری رحمہ اللہ جیسے تابعین اور فقہاء اس اذان عثمانی کو بدعت اور محدث کہنے کی کبھی ضرورت محسوس نہ فرماتے۔ لہذا ان کے اس طرز عمل سے ثابت ہوا کہ جمعۃ المبارک کی ایک ہی اذان سنت نبوی، سنت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اور شرعی اذان ہے اور اذان عثمانی کو ہر لحاظ سے مسنون اور شرعی اذان باور کر لینا درست نہیں۔

رابع: حضرت علی، حضرت عبد بن عمر رضی اللہ عنہما، امام زہری، امام حسن بصری، امام شافعی رحمہ اللہ ایسے فقہائی دین اور اساطین علم کی مذکورہ تنقیدات اور تنقیحات سے قطع نظریہ بات بھی بالکل ظاہر ہے کہ اب ہمارے اس ترقی یافتہ مشینی دور میں ہمارے شہروں اور دیہات میں اذان عثمانی کی مذکورہ علت اور سبب بوجہ ذیل متحقق نہیں۔

اولاً: اس لیے کہ شہر تو شہر ہیں ان کا ذکر ہی کیا اب تو ہر ایک گاؤں میں ایک سے زیادہ مساجد میں جمعہ پڑھا جاتا ہے اور ان متعدد مساجد میں پڑھی جانے والی متعدد اذانیں آبادی کے ہر ایک کو نہ تک بسوالت سنی جاتی ہیں اور یوں لوگوں کو ہسانی، جمعہ کے وقت کا علم ہو جاتا ہے۔

ثانیاً: اس لیے کہ اب شہروں اور قصبات کی طرح دیہات کی طرح ہر ایک چھوٹی بڑی مسجد میں آئمہ تمجید الصوت (لاؤ بھیکر) نصب ہوتا ہے اور اس میں پڑھی جانے والی اذان تو گہری نیند میں خراٹے بھرنے والوں کو بھی چونکا دیتی ہے اور مزید گھڑیوں کی بہتات نے اس مشکل کو ویسے بھی کوئی مشکل نہیں بہنے دیا۔

ہماری رائے:

اس لیے اندر میں حالات ہماری ناقص رائے میں اذان عثمانی کے معاملے میں بھی دوسرے شرعی مسائل کی طرح خود صاحب شریعت جناب رسول ا صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی اسوۂ حسنہ کا اتباع ہی اقرب الی الصواب اور موجب فلاح و فوز اور بلندی درجات و حسنات ہے۔ کیونکہ جس سبب ممبر کے پیش نظر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس زائد اذان (عثمانی) کو رواج دیا تھا۔ اب وہ سبب متحقق نہیں۔ لہذا اب بھی اس اذان کو مسنون اور شرعی اذان باور کر کے اس کے جاری رکھنے پر اصرار کرنا صحیح نہیں۔ ہاں اگر کسی جگہ واقعی اس اذان کی ضرورت ہو تو یہ اذان دی جاسکتی ہے۔ مگر بلا ضرورت اس کو اختیار کیے رکھنا اتباع سنت کے تقاضوں کے منافی ہے۔ وا تعالیٰ اعلم بالصواب

اذان کہاں دی جائے؟

اب رہا یہ سوال کہ اذان کہاں دی جائے؟ خطیب کے سامنے مسجد کے اندر یا مسجد کے صحن میں یا اس کے دروازے پر یا مسجد کے احاطہ سے باہر۔ تو واضح ہو کہ اہل علم نے اذان کی تعریف اس طرح فرمائی ہے:

الْأَذَانُ لَفَتْ: الْإِعْلَامُ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: وَأَذَانٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ (التوبة: ۳) أَيْ إِعْلَامٌ مِمَّنْهُ - وَشَرْعًا: بِإِعْلَامٍ بِدُخُولِ وَقْتِ الصَّلَاةِ الْمَرْغُوبَةِ بِالْفَاقِظِ مُخْصَوِّةٍ - مُبَسِّرِ الْعِلَامِ: ۱۳۷/۱

لہذا اس اذان کی لغوی اور شرعی تعریف سے معلوم ہوا کہ اذان محض اس لیے دی جاتی ہے تاکہ نماز پڑھنے والوں کو فرض نماز کے وقت کا علم ہو جائے۔

اور اسی مقصد کے حصول کے لیے رسول ا صلی اللہ علیہ وسلم بلند مقام پر اذان کھلاتے تھے تاکہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ سنائی دے سکے۔ لہذا اذان خواہ پہلی ہو یا دوسری کسی لیے بلند مقام، منارہ یا اونچی جگہ پر دینی چاہیے۔ جہاں

سے دُور دُور تک آواز پہنچ سکے۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ سن سکیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اہل علم اور اصحابِ فتویٰ نے مسجد کے اندر منبر کے قریب اذان دینے کو بدعت قرار دیا ہے۔ چند تصریحات ملاحظہ فرمائیے۔

الشیخ محمود محمد خطاب السبکی تصریح فرماتے ہیں:

أَنَا بِمُفْعَلِ الْآذَانِ مِنَ الْوُجُوهِ الْأَذَانِينَ فِي مَكَانٍ وَاحِدٍ، أَوْ أُخْبِرُ بِمَا قُورِنَ الْمَسْجِدِ، وَالْآخِرُ دَاخِلُ الْمَسْجِدِ، فَلَيْسَ مُوَافِقًا لِمَا كَانَ عَلَيْهِ سَيِّدُنَا عُثْمَانُ، وَلَئِنَّا كُنَّا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، لَمُسَلِّمِينَ الْعَذَابَ الْمُرِيدَ: ۲۳۶/۶

اب جو دونوں اذانیں ایک ہی جگہ (مسجد کے اندر منبر کے نزدیک) دی جاتی ہیں یا ایک مسجد کی چھت پر اور دوسری چھت کے نیچے تو یہ نہ تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل کے موافق ہے اور نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے طرزِ عمل کے مطابق۔

: محدث عصر حاضر علامہ البانی رحمہ اللہ

: تصریح فرماتے ہیں:

وَالْخَاصَّةُ أَنَّ الَّذِي ثَبِتَ فِي الشَّيْءِ، وَجَرَى عَلَيْهِ السَّلَفُ الصَّالِحُ، هُوَ الْإِكْتِفَاءُ بِالْأَذَانِ الْوَاحِدِ... وَأَنَّ يَكُونَ غَارِجَ الْمَسْجِدِ عَلَى مَكَانٍ مُرْتَفِعٍ - وَأَنَّ إِنْ اتَّجَعَ إِلَى أَذَانِ عُثْمَانِي - فَخَرَجَ غَارِجَ الْمَسْجِدِ، أَيْضًا فِي الْمَكَانِ الَّذِي تَقْتَضِيهِ النُّصَلَةُ وَيَحْتَضِرُ بِهِ الْقَسْمُ الْكَثْرُ - وَأَنَّ الْأَذَانِ فِي الْمَسْجِدِ يَدْعُو عَلَى كُلِّ الْأَجْزَاءِ النَّافِعَةِ، ص: ۳۴

رسول اللہ علیہ وسلم اور سلف صالح سے تو بس ایک ہی اذان ثابت ہے اور وہ بھی کسی بلند مقام پر دینی چلیے۔ اگر کسی مصلحت کے پیش نظر اذان عثمانی کی ضرورت پڑی جائے، تو پھر مسجد کے باہر کسی ایسے مقام پر دی جائے جہاں اس مصلحت کا تقاضا پورا ہو سکتا ہو اور زیادہ سے زیادہ دُور تک سنائی دے سکے۔ تاہم مسجد میں اذان دینا (جیسا کہ ہمارے ہاں عام رواج چل نکلا ہے) بہر حال بدعت ہے۔ (توضیح از صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ... : اذان کی اصل غرض جب زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اطلاع دینا ہے، تو یہ غرض اگر مسجد کے اندر اذان دینے سے حاصل ہوتی ہو، تو اسے بدعت کیونکر کہا جاسکتا ہے؟ جیسا کہ آج کل لاؤڈ سپیکر مسجد کے اندر ہی نصب ہیں) [(ہوتا ہے، اور اس کے ذمے سے ہی اذان زیادہ دُور تک پہنچائی جاسکتی ہے۔ اس لیے مسجد کے اندر اذان دینے کو بہر حال میں بدعت قرار دینا محلِ نظر ہے۔ (ص۔ ی

: امام مالک کی تصریح

نَقَلَ عَاطِلُ الْمَغْرِبِ أَبُو عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْبَرِّ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ الْإِيمَانِ، أَنَّ الْأَذَانَ يَنْبَغِي الْإِيمَانُ لِمَنْ مِنَ الْأَمْرِ الْقَدِيمِ، عُمَرُ الْمَعْبُودِ: ۳۲۴/۱، رقم: ۱۰۸۸۰

یعنی امام مالک بن انس رحمہ اللہ تصریح فرماتے ہیں کہ امام کے نزدیک (مسجد کے اندر) اذان پڑھنا ایک نیا رواج ہے۔

: امام ابن الحاج محمد مالکی کی تحقیق

أَنَّ الشَّيْءَ فِي أَذَانِ الْجُمُعَةِ إِذَا صَعِدَ الْإِيمَانُ عَلَى الْمِنْبَرِ، أَنْ يَكُونَ الْمُؤَذِّنُ عَلَى الْمَنَارِ - كَذَلِكَ كَانَ عَلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَرْثَدٍ وَابْنِ بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَصَدْرُ مَنْ خَلَا فِي عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ... قَالَ عَلَاءُؤُنَا - وَرَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا - أُولَى أَنْ يَتَّبَعَ - فَهَذَا بَانَ أَنَّ فَعْلَ ذَلِكَ فِي الْمَسْجِدِ يَنْبَغِي الْإِيمَانُ لِمَنْ مِنَ الْأَمْرِ الْقَدِيمِ، عُمَرُ الْمَعْبُودِ: ۳۲۴/۱

جمعہ کی اذان کے متعلق سنت طریقت یہ ہے کہ جب امام خطبہ پڑھنے کے لیے منبر پر چڑھے تو اس وقت مؤذن منار پر کھڑا ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر و عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت کے شروع زمانہ تک اسی دستور پر عمل رہا۔ پھر خلیفہ ہشام بن عبد الملک نے اذان عثمانی کو منار پر اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات تک پڑھی جانے والی مسنون و متواتر اذان کو اپنے سلسلے میں لکھوانا شروع کر دیا۔ اس واسطے ہمارے مالکی علماء نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی پیروی کے زیادہ لائق ہے۔ اس سے واضح ہے کہ مسجد کے اندر خطیب کے سلسلے اذان دینا بدعت ہے۔

: امام شمس الحق ڈیوانی رحمہ اللہ

: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی حدیث کے جملہ ”كَانَ يُؤَذِّنُ بَيْنَ يَدَي رَسُولِ اللَّهِ ﷺ“ کی شرح میں رقم فرماتے ہیں: ”بَيْنَ يَدَي“ کا معنی سلسلے ہے، جو قریب اور بعید دونوں کو شامل ہے۔ پھر معنی یہ لکھا ہے

وَالْمَعْنَى: أَنَّ بِلَا يُؤَذِّنُونَ قُدَّامَ النَّبِيِّ ﷺ، وَأَنَامَهُ، إِذَا نَظَرَ النَّبِيُّ ﷺ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ - لَكَانَ يُؤَذِّنُونَ قُدَّامَهُ عِنْدَ الْمِنْبَرِ مُتَّصِلًا بِهِ - كَمَا هُوَ الْمُتَّفَارِقُ الْآنَ فِي أَكْثَرِ بِلَادِ الْبَنْدِ الْأَمَّا عَصَمَةُ اللَّهِ - لِأَنَّ بِلَادَهُ لَيْسَ مَوْضِعُ الْأَذَانِ - وَتَشَوُّثٌ مِنْهُ فَاقْدَةُ الْأَذَانِ - عُمَرُ الْمَعْبُودِ: ۳۲۴/۱

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ ارشاد فرمانے کے لیے منبر پر تشریف فرما ہو جاتے، تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس وقت آپ کے سلسلے کھڑے ہو کر اذان دیتے تھے، مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ منبر کے عین متصل کھڑے ہو کر اذان دیا کرتے تھے جیسا کہ آج کل اکثر دیارِ ہند میں یہ غلط رواج چل نکلا ہے مگر جسے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ کیونکہ یہ اذان کی جگہ ہی نہیں۔ ایسا کرنے علماء کی یہ تصریحات اُس دور کی ہیں جب لاؤڈ اسپیکر لہجہ نہیں ہوا تھا بلاشبہ بغیر اسپیکر کے مسجد کے اندر اذان سے اذان کا مقصد ہی فوت ہو جاتا: ...d سے تو اذان کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ (توضیح از صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ... : اس صورت میں منار پر یا کسی اونچی جگہ پر ہی اذان دینی چلیے۔ لیکن اسپیکر کی موجودگی میں اسپیکر کی بجائے منار پر چڑھنے کو ضروری قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس طرح اذان کا مقصد زیادہ سے زیادہ دُور تک آواز پہنچانا (فوت ہو جاتا ہے۔ (ص۔ ی

: علامہ احمد محمد شاکر مصری رحمہ اللہ

(لکھتے ہیں کہ مؤذنین کو حکم دیا جائے کہ جب خطبہ پڑھنے کے لیے خطیب منبر پر بیٹھ جائے تو مسجد کے دروازہ پر اذان کہا کریں۔ (التعلیق علی الترمذی، باب مَا جَاءَ فِي أَذَانِ الْجُمُعَةِ، ج: ۲، ص: ۳۹۳

مذکورہ دلائل کی روشنی میں مسجد کے اندر منبر کے عین متصل خطیب کے بالکل قریب کھڑے ہو کر اذان کہنا بہر حال بدعت ہے۔ اذان خواہ پہلی ہو کہ دوسری بہر حال ایسی جگہ پر کہ کسی چاہیے جہاں سے مؤذن کی اذان زیادہ سے زیادہ انسانوں کو سنائی دے سکے اور یہی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت شیخین ہے۔ ہاں اگر لاؤڈ اسپیکر میں اذان کہنا ہو تو پھر مسجد کے اندر منبر کے متصل بھی جائز ہے۔ تاہم پھر بھی جہاں تک ممکن ہو، بہتر یہی ہے کہ مامک کی تار لمبی کر کے باہر صحن مسجد میں اذان کہی جائے اور ایسا کہنا کوئی مشکل بھی نہیں کہ صرف چند گرتار کی مزید ضرورت ہے۔

چند خدشات کی وضاحت:

سوال کا جواب: محمد ا تعالیٰ وحسن توفیقہ مکمل ہو چکا۔ تاہم تکمیل فائدہ کی غرض سے چند ایک خدشات کا جواب ابھی باقی ہے اور وہ خدشات یہ ہیں:

:- اذان عثمانی کو خلافت سنت کہنا صحیح نہیں کیونکہ آپ خلیفہ راشد ہیں ہمیں حکم ہے ا

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ مُتَّكِئِينَ، وَغَضُّوا عَلَيْنَا بِالْأَوَائِدِ“ آخر جرح احمد وسنن ابی داؤد والترمذی وصحہ والحکم سنن ابی داؤد، باب فی لزوم السنۃ، رقم: ۳۶۰۴

لہذا اذان عثمانی آج بھی قابل عمل ہے۔

جواب 1: اس حدیث میں ”سُنَّتِي“ کا لفظ پہلے ہے اور سنت خلفائے راشدین دوسرے نمبر پر ہے چونکہ حضرت سائب بن یزید کی مذکورہ الصدر حدیث صحیح سے ثابت ہو چکا ہے کہ سنت نبوی صرف ایک ہی اذان ہے۔ لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ثابتہ کے ہوتے ہوئے چاروں خلفائے راشدین کے کسی اتفاقی عمل کی بھی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی۔ یہاں کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اکیلے ہیں۔

جواب 2: سنت خلفائے راشدین سے مراد ان کا طریق نظام حکومت ہے۔ چنانچہ امام محمد بن اسماعیل الامیر الکھانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فَأَمَّا لَيْسَ الْمَرَأِئِيَّةُ الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدِينَ إِلَّا لِأَنَّهُمْ لَمْ يَخْلُفُوا لِمَنْ لَمْ يَخْلُفْهُ لِمَنْ لَمْ يَخْلُفْهُ مِنْ جِهَةِ الْأَعْدَاءِ وَتَقْوِيَةِ شَعَائِرِ الدِّينِ وَنَحْوِهَا سَلَامُ ۝ ۲۱۱/۲

خلفائے راشدین کی سنت سے ان کا وہ سیاسی اور انتظامی طریق کار مراد ہے جو رسول ا صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کے موافق ہو اور پھر یہ طریق کار دشمنان اسلام کے خلاف جہاد دوسرے دینی شعائر وغیرہ کی سربلندی ”اور تقویت سے تعلق رکھتا ہو۔“

جواب 3: ”وَمَعْلُومٌ مِنْ قَوَاعِدِ الشَّرِيعَةِ أَنَّ لَيْسَ خَلِيفَةَ رَاشِدًا أَنْ يُشْرِعَ طَرِيقَهُ غَيْرَ نَاكَانَ عَلَيْنَا الْبَيْتُ ﷺ“ سَلَامُ ۝ ۲۱۱/۱

اور یہ بھی معلوم ہے کہ قواعد شریعت کی رُو سے کوئی بھی خلیفہ رسول ا صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کے علی الرغم کوئی طریقہ وضع کرنے کا مجاز نہیں رکھتا۔ ”چنانچہ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے متعدد مقامات پر بہت سے مسائل میں حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی مخالفت کی ہے۔ جیسے حج تمتع، مسند اضافہ، مہر، کتابیہ عورت سے نکاح وغیرہ اور یہ مخالفت اس بات کی دلیل ہے، کہ یہ حدیث اپنے عموم پر محمول نہیں۔ ورنہ وہ ایسا ہرگز نہ کرتے، بلکہ خلفائے راشدین کے ہر ایک قول و فعل کو حجت گردانتے۔ مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ لہذا معلوم ہوا خلفائے راشدین کا وہی طرز عمل حجت ہوگا، جو سنت ثابتہ کے موافق ہو۔ ورنہ ہرگز نہیں۔“

(۔ اذان عثمانی پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو چکا ہے۔ جیسا کہ ”قَبْطُ الْأَمْرِ عَلَى ذَالِكَ“ سے قیاد رہے ملاحظہ ہو! صحیح بخاری۔ ابوداؤد، سنن نسائی ۲

جواب: بلاشبہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع حجت ہے، مگر اذان عثمانی پر صحابہ کا اجماع ثابت نہیں۔ ورنہ حضرت علی۔ حضرت عبد ا بن عمر رضی اللہ عنہما جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔ امام زہری، امام حسن بصری جیسے فقہاء تابعین اس کو بدعت اور محدث نہ گردانتے اور امام شافعی رحمہ اللہ جیسے مجتہد اس کے خلاف رائے قائم نہ کرتے اور نہ علمائے اہل مغرب اور شیخ ابن ناصر جیسے فحول علماء اس کو نظر انداز کرتے (جیسا کہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے) لہذا ہمارے نزدیک اس عبارت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ امام بخاری، امام ابوداؤد، اور امام نسائی کے عہد میں اذان عثمانی کو قبول عام ہو گیا تھا۔ چنانچہ صاحب ”المختل العذب المورود شرح“ سنن ابی داؤد“ نے اس عبارت کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

بَذَاكَانَ بِالْبَيْتِ لِمَنْ ابْنِ دَاؤُدَ السُّنَنُ الْعَذْبُ الْمُرُودُ ۝ ۲۳۶/۶

۔ ایک روایت میں اذان عثمانی کو تیسری اذان اور دوسری روایت میں پہلی اذان اور تیسری روایت میں دوسری اذان کہا گیا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ لہذا نا الثَّقَاتُ بَيْنَ يَدِهِ الْإِزَابَاتِ الشَّارِطَةُ ۳۹

جواب ”وَلَا مَنَافَاةَ - لِأَنَّ سُنَّتِي غَايَا بِإِخْتِبَارِ كَوْنِهِ مَزِيدًا، وَأَوَّلًا بِإِخْتِبَارِ كَوْنِهِ فَعْلًا مُقَدَّمًا عَلَى الْأَذَانِ، وَالْإِقَامَةِ - وَثَانِيًا بِإِخْتِبَارِ الْأَذَانِ الْحَقِيقِيِّ، لَا الْإِقَامَةِ عَوْنُ الْمَعْبُودِ ۝ ۳۲۳/۱

ان تینوں روایات میں کوئی منافات نہیں۔ چونکہ اذان عثمانی ایک زائد اذان ہے۔ لہذا اس اعتبار سے اذان محمدی اور تکبیر کے مقابلہ میں اس کو تیسری اذان کہا گیا ہے اور چونکہ یہ اذان عہد نبوی اور عہد شیخین والی متواتر اذان ”سے پہلے دی گئی تھی۔ لہذا ان وجوہ کے اعتبار سے اس کو راوی نے پہلی اذان کہہ دیا ہے، اور تکبیر چونکہ اذان حقیقی کے حکم میں نہیں آتی۔ لہذا اذان حقیقی کے اعتبار سے اذان عثمانی دوسری اذان قرار پائی اور یوں ان روایات میں کوئی تعارض نہیں۔“

خلاصہ مباحث:

کتاب وسنت اور مسطورہ بالا فحول علماء و فقہاء کی تصریحات اور تنقیحات کے مطابق حمیہ المبارک کی ایک ہی اذان سنت نبوی، سنت صحابہ اور شرعی اذان ہے۔ بہر حال کہ دوسری اذان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسے عظیم صحابی اور خلیفہ راشد کی ایجاد کردہ ہے۔ گو ضرورت کے تحت اب بھی اس کو اپنانے کی گنجائش ہے۔ تاہم اس کو ہر لحاظ سے مسنون اور شرعی اذان باور کر لینا درست نہیں۔ اگر یہ اذان ہر لحاظ سے مسنون اور شرعی ہوتی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں اس کو نظر انداز نہ کرتے اور نہ حضرت عبد ا بن عمر رضی اللہ عنہما، امام حسن بصری، اور امام زہری رحمہ اللہ، جیسے فقہاء تابعین اس کو بدعت اور محدث قرار دیتے۔ چنانچہ امام عبد

:الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ رقمطراز ہیں

فَاذْ عَرَفْتَ أَنَّكَ لَيْسَ الْمُرَاوِشِيُّ الْخُلَفَاءُ الزَّاشِدِينَ إِلَّا طَرِيقَهُمْ الْمَوَافِقَ لَطَرِيقِهِمْ مَقِيلَتُهُمْ، - لَاحَ كَلَّتْ أَنَّ الْإِسْتِدْلَالَ عَلَى كَوْنِ الْأَذَانِ الثَّلَاثِ الَّذِي هُوَ مِنْ جُيُنْدَاتِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَمْرًا مُسْلُومًا، لَيْسَ بِتَامٍ - أَلا تَرَى أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ' قَالَ الْأَذَانُ الْأَوَّلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِدَعْوَةٍ كَوَانَ هَذَا الْإِسْتِدْلَالَ ثَانًا، وَكَانَ الْأَذَانُ الثَّلَاثُ أَمْرًا مُسْلُومًا لَمْ يُطْلَقْ عَلَيْهِ لَفْظُ الْبِدْعَةِ، وَلَا عَلَى سَبِيلِ الْإِنْكَارِ، وَلَا عَلَى سَبِيلِ غَيْرِ الْإِنْكَارِ - فَإِنَّ الْأَمْرَ الْمُسْلُومَ لَا يَجُوزُ أَنْ يُطْلَقَ عَلَيْهِ لَفْظُ الْبِدْعَةِ بِأَيِّ مَعْنَى فَتَنْفَكِرُ تَحْتَهُ الْإِجْمَاعُ ' : ١٣٦٩ / ١

اور اسی طرح مسجد کے اندر ممبر کے عین متصل اور خطیب کے بالکل قریب کھڑے ہو کر اذان کہنا بدعت ہے، الا یہ کہ لاؤڈ سپیکر کا سہارا لیا جائے۔

لہذا کتاب و سنت کی روشنی میں دلیل کے لحاظ سے زید کا قول و فعل صحیح اور رائج ہے۔ بکر کا قول و فعل چنداں مضبوط نہیں۔ اس لیے زید کو بُرا بھلا کہنا درست نہیں۔ خدا ما عندی۔ وا تعالیٰ اعلم بالصواب۔

هذا ما عندي والله اعلم بالصواب

[فتاویٰ حاقظ ثناء اللہ مدنی](#)

کتاب الصلوٰۃ: صفحہ: 244

محدث فتویٰ

